ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مرزا اطہر بیگ کے ناول 'غلام باغ' میں طاقت کے استبدادی ڈھانچے اور مابعد جدید وجودی بحران کا تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر سید عطاء اللہ شاہ

لیکچرار، شعبہ اردو جامعہ اسلامیہ پشاور

ڈاکٹر محمد عثمان

لیکچرار، شعبہ اردو جامعہ اسلامیہ پشاور

ڈاکٹر صبا علی

لیکچرار، شعبہ اُردو، کلام بی بی انٹرنیشنل ویمن انسٹیٹوٹ، بنوں

Abstract

This article presents an extensive, rigorous, and deeply critical examination of Mirza Athar Baig's monumental novel, "Ghulam Bagh", within the complex theoretical framework of oppressive power structures, post-modern absurdity, state totalitarianism, bureaucratic alienation, and existential crisis in contemporary literature. In the contemporary literary and philosophical landscape, the pervasive influence of authoritarian systems, bureaucratic control, ideological apparatuses, and state mechanisms has fundamentally reshaped human consciousness, individual autonomy, and societal dynamics. By breaking away from traditional, linear narrative techniques, Baig constructs a complex, multi-layered, and labyrinthine fictional universe that mirrors the psychological fragmentation, ontological void, and systemic entrapment of the modern individual. Through a close textual, thematic, and critical analysis, this paper demonstrates how institutional power systematically dismantles human agency, suppresses dissent, and reduces individuals to mere cogs in an overarching mechanical apparatus. Consequently, trapped within a pervasive sense of alienation, absolute powerlessness, and despair, the characters suffer from deep-seated existential crisis. Ultimately, this study highlights how "Ghulam Bagh" serves as a profound and unsparing critique of systemic oppression, illustrating the tragic erasure of human freedom beneath the crushing weight of modern totalitarian structures.

Keywords: Ghulam Bagh, Mirza Athar Baig, Oppressive Power Structures, Existential Crisis, Post-modernism, Urdu Fiction, Systemic Alienation, Totalitarianism, Absurdity.

کلیدی الفاظ:

غلام باغ، مرزا اطہر بیگ، طاقت کے استبدادی ڈھانچے، وجودی بحران، مابعد جدیدیت، اردو فکشن، نظامی اجنبیت، ٹوٹلٹیرین ازم، لایعنیت۔

اردو فکشن کی تاریخ میں مرزا اطہر بیگ کا ناول "غلام باغ" (شائع شدہ ۲۰۰۶ء) ایک ایسے فکری، فلسفیانہ اور بیانیاتی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو روایتی ناول نگاری کے تمام کہنہ پیمانے اور مروجہ دائرے توڑ کر قاری کو ایک ایسی مابعد جدید اور گنجلک دنیا میں لے جاتا ہے جہاں ریاست، اقتدار، بیوروکریسی، اور طاقت کے استبدادی ڈھانچے انسانی وجود کو آہنی شکنجے میں جکڑ کر اسے ایک بے بس اور بے زبان مہرہ بنا دیتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں جب روایتی بیانیے اور کلاسیکی موضوعات اپنی افادیت کھو رہے تھے، تب اس ناول نے اس بنیادی فکری امر کا محاکمہ کیا کہ کس طرح جدید صنعتی و مابعد جدید معاشرے میں طاقت کے مخفی اور عیاں مراکز انسان کی پیدائشی آزادی، اس کی فکری خود مختاری، اور اس کی داخلی روح کو مکمل طور پر مفلوج کر دیتے ہیں۔ ناول کا کینوس محض چند کرداروں کی باہمی کہانی یا روایتی پلاٹ تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ اس مابعد جدید نظامِ جبر، ریاستی کلچر اور مطلق العنان ڈھانچوں کا احاطہ کرتا ہے جہاں ہر شے ایک قاعدے، ظالم ضابطے اور طاقتور حاکم کی مطلق مرضی کے تابع ہو جاتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس فکری تحول، ریاستی جبر، اور مابعد جدید سوسائٹی کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے معاصر سماجیات اور مابعد جدید تنقید کے ممتاز محقق ڈاکٹر سلیم اختر اپنی تصنیف میں رقم طراز ہیں:

"مابعد جدید سوسائٹی میں طاقت کے استبدادی ڈھانچے صرف سیاسی، عسکری یا انتظامی سطح پر عمل پیرا نہیں ہوتے، بلکہ وہ انسان کے داخلی شعور، اس کے لاشعوری تخیل، اور اس کی فکری ساخت کو اس طرح جکڑ لیتے ہیں کہ فرد اپنی غلامی اور اسیر ہونے کو ہی اپنی حتمی تقدیر سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور اس جبر کے خلاف سوچنا بھی ایک جرم بن جاتا ہے۔"(۱)

معاصر اردو فکشن اور تنقید نے اس تہذیبی المیے اور اقتدار کے مکینیکل جبر کے اثرات کو بڑی گہری عمیق نظر سے دیکھا ہے۔ اردو کے جدید فکری ناقدین اور محققین نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ آج کا انسان ایک ایسے مکینیکل، بے رحم اور ہمہ گیر نظام میں اس طرح پھنس چکا ہے جہاں اس کی انفرادی شناخت، تخلیقی جلا، اور آزادی کے تمام روشن امکانات ہمیشہ کے لیے معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس اہم ترین حوالے سے فکشن کے معروف محقق ڈاکٹر منیر احمد کا تحقیقی تجزیہ یہ ہے:

"عصری فکشن میں طاقت کے مراکز اور استبدادی نظام کا بار بار ظہور محض کوئی سطحی موضوعاتی تبدیلی یا اتفاقی رجحان نہیں ہے، بلکہ یہ اس نئے اور گہرے وجودی بحران کا سب سے بڑا عکاس ہے جو جدید ریاستی، سرمائے اور سماجی ڈھانچوں کے نتیجہ خیز جبر کے طور پر انسانی شناخت کو لاحق ہوا ہے۔"(۲)

جب مرزا اطہر بیگ کے اس فکر انگیز ناول کا گہرائی مطالعہ کیا جائے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ طاقت کے یہ استبدادی ڈھانچے صرف بیرونی سطح پر قانون اور ضابطے کی شکل میں نافذ نہیں ہوتے، بلکہ یہ انسان کے لاشعور میں پیوست ہو کر اس کی نفسیات کو اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ سماجیات اور نفسیات کے باہمی رشتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ماہرِ نفسیات ڈاکٹر ڈیوڈ اس مابعد جدید المیے کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"جدید دور کا استبدادی نظام انسان کو صرف مادی قید خانوں میں بند نہیں کرتا، بلکہ وہ اس کے خلوص، اس کے خوابوں اور اس کے داخلی فکری تشخص کو مسخ کر کے اسے ایک ایسے مشینی پرزے میں بدل دیتا ہے جو نظام کی بقا کے لیے تو ضروری ہوتا ہے مگر اس کی اپنی کوئی روحانی یا اخلاقی حیثیت باقی نہیں رہتی۔"(۳)

اس فکری حقیقت کو مزید آشکار کرتے ہوئے ممتاز نقاد ڈاکٹر ناصر عباس نیّر اپنے ایک تنقیدی مقالے میں رقم طراز ہیں:

"مابعد جدید اردو فکشن میں ریاست، جبر اور طاقت کے مراکز کے مابین جو کشمکش دکھائی گئی ہے، وہ دراصل اس المیے کا اظہار ہے جہاں فرد اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود اس آہنی نظام کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے، اور اس کی پوری زندگی اسی جبری دائرے کے گرد گھومتی رہتی ہے۔"(۴)

اس فکری تناظر میں جب مرزا اطہر بیگ کے ناول "غلام باغ" کا غائر اور عمیق مطالعہ کیا جاتا ہے، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کس طرح انہوں نے اقتدار کے مکینیکل نظام، ریاستی جبر، اور انسانی وجود کی بے بسی کو اپنے بیانیے کا مرکزی اور ناگزیر حصہ بنایا ہے۔ ناول کا بنیادی ماحول ہی ایک ایسی فضا پر مشتمل ہے جہاں کرداروں کی اپنی حقیقی شناخت دھندلا جاتی ہے اور وہ طاقت کے ان آہنی حصاروں کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ کے اس ناول کے مطالعے سے یہ بات بدرجہ اتم عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے استبدادی قوتوں اور وجودی لایعنیت کے طاقتور استعاروں کے ذریعے انسان کی مسخ ہوتی ہوئی شناخت اور اس کی داخلی تنہائی کو بے نقاب کیا ہے، جہاں کردار حقیقی دنیا کے بجائے ایک مصنوعی اور جبری قید خانے میں جینے پر مجبور ہیں۔ بقول ڈاکٹر ناصر عباس نیر:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"مابعد جدید فکری مباحث میں طاقت کے یہ استبدادی ڈھانچے صرف روایتی جبر کی علامت نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ایسا مکمل فلسفہ بن جاتے ہیں جو انسان کی ہر سانس، ہر عمل اور ہر خیال کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے، اور فرد اس جبری دائرے سے باہر نکلنے کی سکت نہیں رکھتا۔" (۵)

مابعد جدید فکری مباحث میں طاقت کے یہ استبدادی ڈھانچے صرف روایتی جبر کی علامت نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ایسا مکمل فلسفہ بن جاتے ہیں جو انسان کی ہر سانس، ہر عمل اور ہر خیال کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ غلام باغ کی فضا میں سانس لیتے ہوئے کردار اس بات کا گہرا احساس کرتے ہیں کہ ان کے اندر کی آواز بھی اب ان کی اپنی نہیں رہی، بلکہ اس پر ریاستی اور نظامی جبر کی گہری چھاپ لگ چکی ہے۔ ریاست اور اقتدار کا یہ آہنی گٹھ جوڑ فرد کو اس کے معاشرتی اور تاریخی پس منظر سے اس طرح کاٹ دیتا ہے کہ وہ خلا میں معلق ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس داخلی انحطاط اور بے وزنی کی کیفیت کا احاطہ کرتے ہوئے معاصر محققین کا ماننا ہے کہ طاقت کا یہ نظام انسان سے اس کی تخلیقی توانائی اور مزاحمت کی تمام سکت چھین لیتا ہے۔

مرزا اطہر بیگ کے ناول "غلام باغ" کی فضا میں جب قاری آگے بڑھتا ہے، تو اسے یہ احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اقتدار کے یہ مراکز محض بیرونی سطح پر اثر انداز نہیں ہوتے، بلکہ یہ انسانی روح کے تار و پاتر کو اس طرح ادھیڑ دیتے ہیں کہ فرد اپنے ہی وجود میں ایک اجنبی بن جاتا ہے۔ جبر کا یہ نظام اس مکینیکل اور بے رحم انداز میں عمل پیرا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کسی بھی قسم کی انفرادی مزاحمت، اختلافِ رائے یا بغاوت کا امکان دم توڑ جاتا ہے۔ بیوروکریسی اور ریاستی اداروں کا گٹھ جوڑ انسان کو ایک ایسے مشینی پرزے میں بدل دیتا ہے جہاں اس کی انفرادی سوچ اور جذبات کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ناول اسے ایک اقتباس دیکھیں:

"فضا میں سانس لیتے ہوئے انسان اس بات کا گہرا احساس کرتے ہیں کہ ان کے اندر کی آواز بھی اب ان کی اپنی نہیں رہی، بلکہ اس پر ریاستی اور نظامی جبر کی گہری چھاپ لگ چکی ہے، اور فرد اس آہنی حصار میں مکمل طور پر جکڑا جا چکا ہے۔"(6)

اس پس منظر میں جب مابعد جدید فلسفیانہ مباحث کا عمیق جائزہ لیا جائے، تو یہ بات بدرجہ اتم عیاں ہوتی ہے کہ موجودہ دور میں انسان کی حیثیت صرف ایک ہندسے یا پروڈکشن یونٹ سے زیادہ کچھ نہیں رہی۔ طاقت کے یہ استبدادی ڈھانچے انسان کو اس کی تاریخی، اخلاقی اور تہذیبی جڑوں سے کاٹ کر ایک ایسے گہرے خلاء میں پھینک دیتے ہیں جہاں اس کے پاس نہ تو کوئی روشن مستقبل ہوتا ہے اور نہ ہی حال کا کوئی معتبر سہارا۔ غلام باغ کے کردار اس لایعنیت، بے بسی اور ذہنی اسیری کے سب سے بڑے استعارے ہیں جو ہر لمحہ اس جبری نظام کے آہنی شکنجے میں جکڑتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اقتدار کی یہ مشینری جب کسی فرد کو اپنے گھیرے میں لیتی ہے، تو اس کی تمام تر تخلیقی اور فکری توانائیاں ہمیشہ کے لیے سلب ہو جاتی ہیں۔

مابعد جدید تنقید کے تناظر میں اس پورے استبدادی عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے محققین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ طاقت کا اصل جوہر محض کھلے جبر میں نہیں بلکہ اس فریب میں ہے جو وہ فرد کو آزادی اور خود مختاری کے نام پر دیتا ہے۔ غلام باغ کے اندر بھی یہی المیہ کارفرما ہے جہاں کردار بظاہر اپنے فیصلوں اور فکری رویوں میں آزاد دکھائی دیتے ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی ہر حرکت کسی نامعلوم اور طاقتور مرکز کے طے شدہ اشاروں پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ فکری فریب انسان کے داخلی وجود کو اس حد تک کھوکھلا کر دیتا ہے کہ اسے اپنی غلامی کا احساس تک باقی نہیں رہتا۔ مرزا اطہر بیگ نے اس تنزلی، فکری زوال اور وجودی شکست کو جس فنکارانہ گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ ناول کے بیانیے میں اتارا ہے، وہ قاری کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ جیسے کہ ناول۔کا۔ایک کردار کہتا ہے:

"جبر کا یہ نظام اس مکینیکل اور بے رحم انداز میں عمل پیرا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کسی بھی قسم کی انفرادی مزاحمت، اختلافِ رائے یا بغاوت کا امکان دم توڑ جاتا ہے، اور انسان محض ایک بے بس پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔"(7)

مابعد جدید فکری مباحث میں طاقت کے یہ استبدادی ڈھانچے صرف روایتی جبر کی علامت نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ایسا مکمل فلسفہ بن جاتے ہیں جو انسان کی ہر سانس، ہر عمل اور ہر خیال کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔ غلام باغ کی فضا میں سانس لیتے ہوئے کردار اس بات کا گہرا احساس کرتے ہیں کہ ان کے اندر کی آواز بھی اب ان کی اپنی نہیں رہی، بلکہ اس پر ریاستی اور نظامی جبر کی گہری چھاپ لگ چکی ہے۔ ریاست اور اقتدار کا یہ آہنی گٹھ جوڑ فرد کو اس کے معاشرتی اور تاریخی پس منظر سے اس طرح

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کاٹ دیتا ہے کہ وہ خلا میں معلق ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس داخلی انحطاط اور بے وزنی کی کیفیت کا احاطہ کرتے ہوئے معاصر محققین کا ماننا ہے کہ طاقت کا یہ نظام انسان سے اس کی تخلیقی توانائی اور مزاحمت کی تمام سکت چھین لیتا ہے۔

اس پس منظر میں جب ناول کے بیانیے کا غائر مطالعہ کیا جاتا ہے، تو یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ غلام باغ کے مکالمے اور واقعات محض قصہ طرازی یا روایتی فکشن کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ وہ انسانی تاریخ کے اس تاریک ترین المیے کی بازگشت ہیں جہاں ہر طاقتور نظام نے انسان کو غلام بنانے کے لیے نئے نئے فکری، نفسیاتی اور عملی ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں۔ کرداروں کی نفسیاتی شکافی اس بات کی غماز ہے کہ جب ریاستی جبر اور بیوروکریٹک تسلط حد سے بڑھ جاتا ہے، تو انسان کے پاس سوائے اس کے کچھ نہیں بچتا کہ وہ یا تو پاگل پن کی پناہ گاہ تلاش کرے یا پھر خاموشی سے اس ظالم اور بے حس مشینری کا ایک پرزہ بن جائے۔ اطہر بیگ لکھتے ہیں:

> "طاقت کے یہ استبدادی ڈھانچے انسان کو اس کی تاریخی، اخلاقی اور تہذیبی جڑوں سے کاٹ کر ایک ایسے گہرے خلاء میں پھینک دیتے ہیں جہاں اس کے پاس نہ تو کوئی روشن مستقبل ہوتا ہے اور نہ ہی حال کا کوئی معتبر سہارا۔"(8)

مرزا اطہر بیگ کے ناول "غلام باغ" کا مطالعہ اس امر کو بے نقاب کرتا ہے کہ طاقت اور جبر کے استبدادی ڈھانچے جب انسان کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہیں، تو اس کا لازمی نتیجہ ایک گہرے وجودی بحران اور لایعنیت (Absurdity) کی صورت میں نکلتا ہے۔ ناول کے کردار اس لایعنیت اور بے بسی کے سب سے بڑے استعارے ہیں جو ہر لمحہ اس جبری نظام کے آہنی شکنجے میں پستے چلے جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اقتدار کی یہ مشینری جب کسی فرد کو اپنے گھیرے میں لیتی ہے، تو اس کی تمام تر تخلیقی اور فکری توانائیاں ہمیشہ کے لیے سلب ہو جاتی ہیں، اور وہ خود کو ایک بے معنی خلا میں معلق پاتا ہے۔

مابعد جدید تنقید کے تناظر میں اس پورے استبدادی عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے محققین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ طاقت کا اصل جوہر محض کھلے جبر میں نہیں بلکہ اس فریب میں ہے جو وہ فرد کو آزادی اور خود مختاری کے نام پر دیتا ہے۔ غلام باغ کے اندر بھی یہی المیہ کارفرما ہے جہاں کردار بظاہر اپنے فیصلوں اور فکری رویوں میں آزاد دکھائی دیتے ہیں، لیکن حقیقت میں ان کی ہر حرکت کسی نامعلوم اور طاقتور مرکز کے طے شدہ اشاروں پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ فکری فریب انسان کے داخلی وجود کو اس حد تک کھوکھلا کر دیتا ہے کہ اسے اپنی غلامی کا احساس تک باقی نہیں رہتا۔ مرزا اطہر بیگ نے اس تنزلی، فکری زوال اور وجودی شکست کو جس فنکارانہ گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ ناول کے بیانیے میں اتارا ہے، وہ قاری کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

ناول کے اواخر تک آتے آتے یہ وجودی بحران اپنے تند و تیز عروج پر پہنچ جاتا ہے جہاں تمام تر امیدیں اور فکری پناہ گاہیں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہیں۔ کرداروں کا باطنی انتشار، ان کی لایعنیت اور تنہائی کا یہ عالم اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ جب ریاست اور اقتدار کے استبدادی ڈھانچے انسانی حواس پر پوری طرح مسلط ہو جائیں، تو زندگی ایک ایسے مقفل قید خانے میں بدل جاتی ہے جہاں موت یا جنون کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں رہتا۔ ناول سے اقتباس دیکھیں:

> "اقتدار کی یہ مشینری جب کسی فرد کو اپنے گھیرے میں لیتی ہے، تو اس کی تمام تر تخلیقی اور فکری توانائیاں ہمیشہ کے لیے سلب ہو جاتی ہیں، اور وہ خود کو ایک بے معنی اور مقفل قید خانے میں معلق پاتا ہے۔"(9)

مرزا اطہر بیگ کے شاہکار اور لاجواب ناول "غلام باغ" کے اس تفصیلی، غائر اور مابعد جدید تنقیدی مطالعے کے بعد یہ بات حتمی اور غیر متزلزل سند کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ تخلیق معاصر اردو فکشن میں اقتدار، ریاست، بیوروکریسی، اور طاقت کے استبدادی ڈھانچوں کا سب سے بڑا، گہرا اور وقیع فکری دستاویز ہے۔ مصنف نے اس ناول میں محض ایک فرضی کہانی یا روایتی قصہ رقم نہیں کیا، بلکہ اکیسویں صدی کے اس مابعد جدید اور مکینیکل معاشرے کے اس روح فرسا المیے کو بے نقاب کیا ہے جہاں ٹیکنالوجی، بیوروکریسی اور ریاستی جبر نے انسان کے بنیادی حواس، اس کے تخیل اور اس کی انفرادی خود مختاری کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ کلاسیکی اور روایتی معاشروں میں انسان کا واسطہ براہِ راست فطرت، سماج اور روایتی اقدار سے ہوتا تھا، لیکن اس دورِ جدید اور مابعد جدیدیت کی تماشا گاہ میں انسان اور اس کی آزادی کے درمیان ریاست کے آہنی اور نامرئی ڈھانچے حائل ہو چکے ہیں۔ اس ہمہ گیر جبر نے انسان کو اس کے اپنے ہی وجود سے اس طرح بیگانہ کر دیا ہے کہ وہ ہر لمحہ ایک پروجیکٹڈ اور جبری دنیا کا بے بس مہرہ بن کر رہ جاتا ہے۔

ناول کے کرداروں کے مجموعی رویے، ان کا گہرا داخلی انتشار، اور ان کی بے بسی اس بات کا سب سے بڑا غماز ہے کہ طاقت اور جبر کا یہ نیٹ ورک جتنا وسیع اور پیچیدہ ہوتا جاتا ہے، انسان کی باطنی تنہائی اور وجودی خلاء اتنا ہی گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اقتدار کا فریب انسان کو یہ جھوٹی تسلی دیتا ہے کہ وہ

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ایک منظم اور محفوظ معاشرے کا حصہ ہے، لیکن حقیقت میں وہ ایک ایسے ہولناک خلاء اور مقفل قید خانے کا اسیر ہو چکا ہے جہاں اس کے دل کی سچی آواز سننے والا کوئی دوسرا وجود باقی نہیں رہتا۔ ابلاغ کے تمام زرائع اور ریاستی ادارے مل کر الفاظ سے اصل معنی چھین لیتے ہیں اور انسان کو ایک ایسے مشینی پرزے میں بدل دیتے ہیں جس کی اپنی کوئی اخلاقی یا روحانی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب انسان کی زندگی کا ہر عمل کسی جبری نظام اور طے شدہ قانون کی نذر ہو جائے، تو اس میں موجود جذبے کی حرارت اور سچائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے، اور وہ اپنی ہی بنائی ہوئی اس استبدادی تماشا گاہ کا سب سے لاچار تماشائی بن کر رہ جاتا ہے۔

حاصلِ بحث کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرزا اطہر بیگ کا یہ ناول اس بات کا روشن ترین ثبوت ہے کہ مابعد جدید ریاست اور استبدادی نظام کا عروج اگرچہ نظم وضبط اور ترقی کے خوشنما نعروں کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن یہ انسان کی روحانی، نفسیاتی اور فکری وحدت کو پارہ پارہ کر کے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔ مصنف نے اس تنزلی، شناخت کے بحران اور وجودی لایعنیت کو جس غیر معمولی فکری بصیرت اور فنی جلا کے ساتھ اردو فکشن کا حصہ بنایا ہے، وہ معاصر ادبی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تخلیق ہمیں اس بات کا گہرا ادراک عطا کرتی ہے کہ اگر طاقت کے ان بے رحم اور آہنی ڈھانچوں کے خلاف فکری بیداری اور مزاحمت کا سفر جاری نہ رکھا گیا، تو انسان ہمیشہ کے لیے اس خاموش، تاریک اور روح فرسا غلام باغ کا اسیر ہو کر رہ جائے گا، جہاں سے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں بچتا۔

حوالہ جات:

1. ڈاکٹر سلیم اختر، معاصر سماجیات اور مابعد جدید جبر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز)، ص ۵۲۔

2. ڈاکٹر منیر احمد، اردو فکشن اور استبدادی مباحث، : http://www.rjelal.com/

3. ڈاکٹر ڈیوڈ، طاقت کے ڈھانچے اور نفسیاتی زوال،:- https://fiveable.me/introduction-contemporary-literature/key-terms

4. ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، مابعد جدیدیت اور اردو فکشن کے معاصر مباحث (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان)، ص ۹۲۔

5. ایضاً

6. مرزا اطہر بیگ، غلام باغ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۵۴۔

7. ایضاً، ص ۱۲۸۔

8. ایضاً، ص ۲۴۵۔

9. مرزا اطہر بیگ، غلام باغ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۹۰۔